July
2024

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

صحابہ کرامؓ — نبوت محمدیؐ کا شاہکار

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ایک ایک فرد نبوت کا شاہکار ہے اور نوع انسانی کے لیے باعث شرف و افتخار ہے۔ انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دل کش و دل آویز تصویر نہیں ملتی جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، خدا ترسی، ان کی پاک بازی، پاکیزگی، ان کی شفقت و رافت اور ان کی شجاعت و جلادت، ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت، ان کی شہسواری اور ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم و زر سے بے پروائی اور ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل، ان کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔" (دو متضاد تصویریں: ۱۷)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مركز الإمام أبي الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

مثالی جماعت

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت اٹھائی اور پھر آپ کے مشن کو جان ودل سے زیادہ عزیز رکھ کر راہِ خدا میں سخت اذیتیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں، گھر بار چھوڑا، جہاد کیا، ہجرت کی اور دنیا میں دین کے پیغام کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور قرآن کی آواز کو عام کرنے کے لیے نکل پڑے۔ ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک، عرب سے عجم تک اور جہاں ممکن ہوا وہ وہاں گئے اور جہاں خود نہ پہنچ سکے وہاں تابعین کو بھیجا، کچھ نے جام شہادت نوش کیا، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنے اور دنیا کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں جا کر اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار کے ذریعہ اسلام کی حقانیت ثابت کی اور لوگوں کی تربیت کے ذریعہ ایمان ویقین دلوں میں راسخ کیا اور ربانیت پیدا کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیامت تک آنے والی نسلوں پر ابدی احسان رہے گا، کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے یہ ایک حقیقت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام کے لیے قربانی، اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فدائیت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار اور تعاون وہمدردی، زہد وعبادت، تواضع، نماز میں انہماک، توحید کی پختگی، کفر وشرک سے آخری درجہ کی نفرت، اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی طلب، توبہ وانابت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے آگے جان دینے اور سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ، خشیت اور اللہ کا خوف اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کا جذبہ، گناہوں سے اجتناب، طاعات کا شوق اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور جو عہد کرنا اس کو پورا کر دکھانا، یہ سب صفات وخصوصیات اور امتیازات اسی قدسی جماعت کے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اور ان کے ساتھ جہاد وقربانی کے لیے تیار کیا تھی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ ان کے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنی رضامندی کا پروانہ دیا ہے:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبة: ١٠٠) (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اسی میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔)

درحقیقت صحابہؓ سے محبت رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے اور اللہ کی رضا کا سبب اور آخرت میں اچھے انجام کا ذریعہ ہے۔ یہ رجال ہیں لیکن ہماری اور آپ کی طرح نہیں، رسول اللہ ﷺ کی صحبت ورفاقت نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۶ | محرم الحرام ۱۴۴۶ھ - جولائی ۲۰۲۴ء | شمارہ: ۷

عظمت صحابہ کا تقاضا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(جب صحابہ کا ذکر آئے تو ٹھہر جاؤ۔)

(المعجم الكبير للطبرانی: ۲/ ۹۶، وصححه الألبانی)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

نبوت محمدی کا عکس جمیل (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

صحابہ کرام وشیخین کے بارے میں.....۴

.....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

تاریخ انسانی کی بے نظیر قدسی جماعت.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

صحابہ کا مقام امتیاز.....۸

.....حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

زندگیاں صحابہ کی.....۹

.....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

تقویٰ کیا ہے؟.....۱۱

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

طلاق کے چند مسائل.....۱۳

.....مفتی راشد حسین ندوی

شہادت اور شہید کا قرآنی مفہوم.....۱۵

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی مدنی

اہل سنت والجماعت کا مسلک.....۱۷

.....مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ

عظمت صحابہؓ.....۱۹

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

ناموس صحابہؓ

جناب والی آسی مرحوم

دنیا سے یہی رخت سفر لے کے چلے ہیں
ہم الفت صدیقؓ وعمرؓ لے کے چلے ہیں
ہے پیش نظر سیرتِ عثمانؓ و علیؓ بھی
ہو شام نہ جس کی وہ سحر لے کے چلے ہیں

ہمراہ لیے ثور کی جانب شب ہجرت
صدیقؓ کو خود خیر بشرؐ لے کے چلے ہیں
انصاف نے وہ عدل کبھی پھر نہیں دیکھا
آئین عدالت جو عمرؓ لے کے چلے ہیں

واللہ! عجب شان ہے عثمانِ غنی کی
دنیا سے یہ فردوس میں گھر لے کے چلے ہیں
کہتا ہے علیؓ شیر خدا جن کو زمانہ
وہ نصرتِ خیبر کی خبر لے کے چلے ہیں

سینے سے لگائی ہوئی ناموسِ صحابہؓ
اس راہ میں نذرانہ سر لے کے چلے ہیں
کچھ ہم پہ ہے ان کا کرم خاص بھی والیؔ
کچھ اپنی دعاؤں میں اثر لے کے چلے ہیں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مدیر کے قلم سے

نبوت محمدی کا عکس جمیل

جس طرح نبوت ایک امتیاز ہے اور یہ امت کا عقیدہ ہے کہ نہ کوئی فرشتہ یہ مقام پا سکتا ہے اور نہ کوئی ولی، یہ وہ آسمان ہے کہ کوئی اس کی بلندی کو نہیں چھو سکتا، کسی مؤمن کا ایمان معتبر نہیں جب تک وہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو، اسی طرح نبوت کے بعد شرف صحابیت بھی وہ مقام ہے جہاں تک کسی بڑے سے بڑے ولی کی رسائی نہیں، بحیثیت صحابی رسول کے ہر ایک کا مرتبہ نبوت کے نیچے ہے، لیکن ولایت سے بلند ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ہر صحابی کو ایمان کی جو گہرائی عطا کی، یہ شرف صرف صحبت رسول ﷺ کا خاصا ہے، کسی غیر صحابی کو یہ حاصل نہیں ہو سکتا اور اس ایمان کے بعد بہت ہی معمولی عمل بڑے بڑے اعمال پر بھاری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ جماعت تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے منتخب فرمایا تھا اور یہ آپ ﷺ کے وہ شاگرد تھے جن کو ساری امت کا معلم بننا تھا، امت کو جو بھی دین وقرآن حاصل ہوا' وہ اسی قدسی جماعت کے واسطے سے حاصل ہوا۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس انداز سے تربیت فرمائی تھی کہ وہ دین کو ہضم کر چکے تھے اور انہوں نے دین کو اپنے اندر پوری طرح جذب کر لیا تھا، وہ دین کے ایسے ترجمان بن کر سارے عالم میں پھیلے کہ جہاں جہاں بھی وہ دین ودعوت کا پیغام لے کر گئے، وہاں کی دنیا بدل گئی۔ گویا اونٹوں اور جانوروں کے چَرانے والے عالم کے نگہ بان وگلہ بان بن گئے۔ ظاہر ہے یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک تربیت اور آپ کی مبارک صحبت کا نتیجہ تھا کہ ایک نظر میں ان کی دنیا بدل گئی اور وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا ایسا عکس قبول کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی گواہی قرآن مجید کے اندر دی، ارشاد ہوا:

﴿رَّضِيَ اللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ﴾ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ علام الغیوب ہے، وہ دلوں کا جاننے والا ہے، وہ خوب جانتا تھا کہ صحابہ کس طرز پر رہیں گے اور کس دین وعقیدہ پر قائم رہیں گے، اسی لیے اس نے قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر صحابہ کرامؓ کے ایمان وتقویٰ کی گواہی دی ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ آج کل بعض لوگ ایمان کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ان کے اندر صحابہؓ کے متعلق بغض بھرا ہوا ہے۔ یاد رہے! یہ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ، آپ کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے، اپنا گھر بار لٹا دینے والے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے بارے میں انگلی اٹھاتا ہے وہ گویا اللہ کے رسول ﷺ پر انگلی اٹھاتا ہے، گویا وہ یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو تربیت کرنی نہیں آتی تھی۔ اس لیے اگر کوئی ایمان والا صحابہؓ کے بارے میں غلط خیال کرتا ہے، یا اپنی زبان سے کوئی غلط بات کہتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ صحابہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور صحابہ سے بغض ونفرت اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص منافق ہے اور منافق وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہے لیکن اس کے اندر کفر وبغض بھرا ہوا ہو۔ اس لیے ہر صاحب ایمان کو سمجھنا چاہیے کہ حضرات صحابہؓ سے بغض رکھنا، یا ان کو برا بھلا کہنا نفاق وکفر کی علامت ہے اور یہ نفاق' کفر کی انتہائی بدترین شکل ہے۔

صحابہ کرام و شیخین کے بارے میں غیر مسلم فضلاء اور مستند مغربی مؤرخین کی شہادتیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

صحابہ کرام و شیخین کے بارے میں درج ذیل سطور کے اندر ہم چند غیر مسلم فضلاء اور مستند مؤرخوں کی شہادتیں نقل کرتے ہیں۔

مغربی فاضل کائتانی اپنی کتاب ''سنین اسلام'' میں کہتا ہے:

''یہ لوگ رسول اللہ (ﷺ) کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد (ﷺ) نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں اس کے امین تھے، رسول اللہ کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچا دیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (ﷺ) کے اصول وافکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفے کے امین اور اس کے حافظ تھے اور رسول اللہ (ﷺ) سے جو لفظ یا حکم انہیں پہنچا تھا اس کے زبردست محافظ تھے۔ یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔''

(تمدن عرب، صفحہ:۱۲۴)

مشہور فرانسیسی مصنف ڈاکٹر لیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھتا ہے:

''غرض یہ ہے کہ اس نئے دین کو بہتیرے مواقع درپیش تھے اور بے شک وہ اصحاب نبی (ﷺ) کی خوش تدبیری تھی جس نے انہیں ان مواقع پر کامیاب کیا، انہوں نے خلافت کے لیے ایسے ہی اشخاص کا انتخاب کیا جن کی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی۔''

(تمدن عرب، صفحہ:۳۸۴-۳۸۵)

مشہور انگریز مصنف کبن (Edward Gibbon) خلفائے راشدین کے متعلق اپنی کتاب ''زوال وسقوط روما'' میں لکھتا ہے:

''پہلے چار خلفاء کے اطوار صاف اور ضرب المثل تھے، ان کی سرگرمی، دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت واختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائے فرائض اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔''

(تمدن عرب، صفحہ:۳۸۴-۳۸۵)

ڈاکٹر فلپ ہٹی (Dr Philip Hitti) اپنی مشہور کتاب ''مختصر تاریخ عرب'' میں لکھتا ہے:

''ابوبکرؓ مرتدین کو مغلوب کرنے والے اور جزیرۃ العرب کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے متحد کرنے والے' ایک سیدھی سادی زندگی گزارتے تھے جو متانت ووقار سے بھری ہوئی تھی، وہ اپنی خلافت کی مختصر مدت کے پہلے چھ مہینے میں روزانہ اپنی قیام گاہ ''سُنح'' سے جہاں وہ اپنے مختصر خاندان کے ساتھ ایک معمولی سے مکان میں رہتے تھے' صبح اپنے دارالحکومت مدینہ کی طرف آتے تھے، وہ حکومت سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے، اس لیے کہ اس وقت حکومت کی کوئی آمدنی نہیں تھی جو قابل ذکر ہو، وہ حکومت کے تمام کام مسجد نبویؐ کے صحن میں بیٹھ کر انجام دیتے تھے۔

ان کے باصلاحیت جانشین عمر (۶۳۴-۶۴۴ء) سادہ زندگی بسر کرنے والے اور بہت فعال تھے۔ دراز قد، مضبوط جسم اور سر کے بال گر گئے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد کچھ عرصہ تجارت ان کا ذریعہ معاش تھی اور بالکل بدو سرداروں کی طرح ان کی زندگی شان وشوکت اور بڑائی کے مظاہر سے دور تھی۔ ان کا بے داغ کردار ان کے جانشینوں کے لیے ایک مثال تھا، بتلایا جاتا ہے کہ ان کے پاس صرف ایک قمیص اور ایک لبادہ تھا جس پر پیوند لگے ہوئے تھے، کھجور

کی چھال بھرے ہوئے بستر پر سوتے تھے اور انہیں دین کی پاس داری، انصاف اور حکومت کو اسلام اور عربوں کے لیے محفوظ رکھنے کے علاوہ اور کسی بات کی فکر نہیں تھی۔''

(مختصر تاریخ عرب: ۱۷۵-۱۷۶)

سر ولیم میور (Sir William Muir) اپنی مشہور کتاب ''تاریخ خلافت اولیٰ'' میں لکھتے ہیں:

''ابوبکرؓ کے دربار کی سادگی کا وہی عالم تھا جو محمدؐ کی زندگی میں تھا۔ نہ خدام تھے اور نہ محافظ اور نہ حکومت کی شان وشوکت ظاہر کرنے والی کوئی اور شے۔ ابوبکرؓ محنت کے عادی تھے اور ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملات کی جزئیات پر بھی نظر رکھتے تھے۔ راتوں کو وہ مصیبت زدہ اور غرباء کی تلاش میں گھومتے رہتے۔ حکومت کے عُمّال اور اعلیٰ حکام کو تعینات کرنے میں کنبہ پروری یا طرف داری سے بالاتر تھے اور ان کے کردار سے عقل ودانش کا اظہار ہوتا ہے۔'' (تاریخ خلافت اولیٰ: ۱۲۳)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد سے سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمرؓ تھے کیونکہ انہی کی دانائی' استقلال کا ثمرہ تھا کہ اس دس سال کی مدت میں شام' مصر' فارس کے علاقے جن پر اس وقت سے اسلام کا قبضہ رہا ہے تسخیر ہوگئے، مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرماں روا ہونے کے آپ کو کبھی اپنے فیصلے، فراست اور متانت کی میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب کے ساتھ اپنے آپ کو ملقب نہیں کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبویؐ کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ حالانکہ شہنشاہ یعنی خلیفہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔''

مستند مؤرخین میں سنی فضلاء اور مصنفین کے بجائے جسٹس سید امیر علی کی کتاب (A Short History of the Saracens) سے شہادت ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین کے زمانہ میں مسلمانوں کی جو سیاسی حالت تھی اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو جو منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے وہ ایک عوامی حکومت کا ہے جس کا سربراہ ایک منتخب شدہ امیر تھا، جو محدود اختیار کا مالک تھا۔ رئیس مملکت کے خصوصی اختیارات انتظامی اہتمامی امور کے دائرہ کے اندر محصور تھے۔ قانون سب کے لیے ایک تھا، امیر کے لیے بھی اور غریب کے لیے بھی، صاحب اقتدار کے لیے بھی اور کھیت پر محنت ومشقت کرنے والے کے لیے بھی۔''

وہ آگے لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین نے جس سخت گیری سے اپنے آپ کو عوام کی بہبود کے لیے وقف کر رکھا تھا اور جس انتہائی سادگی سے وہ زندگی بسر کرتے تھے، وہ ہادیٔ اسلام کی مثال کی پوری پوری تقلید تھی، انہوں نے خدم وحشم اور ظاہری شان وشوکت کے بغیر محض اپنے حسن کردار اور سیرت کی مدد سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی۔''

(ماخوذ از: روحِ اسلام، ص: ۴۳۳)

جہاں تک حضرات شیخین کا تعلق ہے، تو سید امیر علی نے ان کے زاہدانہ طرز زندگی کی معدلت شعاری اور ان کی خدمات اور احسانات کا پوری فراخ دلی اور زور قلم کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

''ابوبکرؓ اپنی دانشمندی اور اعتدال کی وجہ سے امتیاز خاص کے مالک تھے، ان کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور خاندانِ نبوت نے اپنے روایتی خلوص اور اسلام کے ساتھ وفاداری اور دلی وابستگی کی بنا پر تسلیم کیا۔''

(A Short history of the saracens, P: 21)

حضرت عمرؓ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ کی جانشینی اسلام کے لیے بڑی قدر و قیمت کی حامل تھی۔ وہ اخلاقی طور پر ایک مضبوط طبیعت وسیرت کے آدمی، انصاف کے بارے میں بڑے بااصول اور حساس، بڑی قوتِ عمل اور سیرت کی پختگی کے آدمی تھے۔''

(A Short history of the saracens, P: 27)

تاریخ انسانی کی بے نظیر قدسی جماعت

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

قرآن مجید اور حضور ﷺ کی صحبت سے صحابہ کرام میں ایمان واطاعت احکام الٰہی کا ایسا مزاج بن گیا تھا جیسا فطرت انسانی میں پیدائشی طور پر ہوتا ہے کہ ان سے ایمان کی کمزوری یا اطاعت میں کوتاہی کی گنجائش نہیں رہی تھی، ان کی طرف سے کامل اطاعت کا ظہور سخت سے سخت موقع پر ہوا اور ان کو ایمان اور اطاعت رسول ﷺ کے کئی سخت امتحانوں سے گزرنا پڑا اور وہ ان سب میں کامیاب ہوئے، جس کے تین نمونے سب سے زیادہ سخت رہے؛

ایک بدر کا معرکہ کہ مسلمانوں کو اپنی تعداد کی کمی کا پورا احساس تھا اور تدبیر جنگ کے لحاظ سے اپنی ناکامی اور شکست کا پورا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور اس جنگ سے بچنے کا موقع بھی تھا کہ یہ مشورہ دیتے کہ مدینہ لوٹ جائیں، وہاں مضبوطی رہے گی، لیکن اپنے نبی کی بات مانی اور شکست کا خطرہ ہوتے ہوئے بھی تیار ہو گئے۔

دوسرا بڑا امتحان خندق کا معرکہ تھا جہاں نصف مہینے نہایت ہمت شکن حالات میں میدان جنگ میں ڈٹے رہنے کا امتحان تھا، جس کی سختی کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے۔

تیسرا امتحان صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا جس میں ان کے ذہنوں پر سخت ترین بوجھ پڑا اور انہوں نے اف نہیں کیا۔

اس طرح آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی جو جماعت بنی، وہ ایمان اور محبت رسول اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کی پیروی میں ناقابل تسخیر پہاڑ کی طرح تھی اور بتدریج اتنی بڑی تعداد میں یہ جماعت تیار ہوئی کہ تاریخ انسانی میں ایسی صالح اور پختہ ایمان اور دین میں پختگی کی کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا، جس نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں اور آپ کی صحبت اور رہنمائی حاصل کرنے والوں کی جماعت کو ایسے صفات اور کردار کا بنا دیا کہ وہ نبوت کی صحیح نیابت کرتے ہوئے اس دین کو اور اعلیٰ انسانی صفات کو آگے بڑھائیں، اس کے افراد میں سے ہر ایک اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا اور آپ نے ان کے بارے میں تصدیق بھی کی، فرمایا:

"أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم."

(میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی اتباع کروگے ہدایت پر رہوگے۔)

سب سے بڑی بات یہ کہ قرآن مجید نے ان کے مقبول بارگاہ ہونے کی تصدیق کی، فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾ (الفتح: ۲۹) (محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ انکاریوں پر زور آور ہیں آپس میں مہربان ہیں آپ انھیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے جیسے کھیتی ہو جس نے انکھوا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا، کھیتی کرنے والوں کو بھانے لگا تاکہ وہ ان سے انکار کرنے والوں کو جھلا دے، ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے ان سے اللہ نے

مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔)

اس آیت کی رو سے سارے صحابہ کرام مقبول بارگاہ الٰہی ہوئے، البتہ اس مقبولیت میں ترتیب بھی ہے، آپ ﷺ سے جو جتنا زیادہ قریب رہا اس کو اتنی زیادہ اولیت حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب حضرت ابوبکر صدیق رضی عنہ اللہ رہے کہ جن سے آپ کی رفاقت اور دوستی نبوت سے پہلے سے تھی، وہ تقریباً آپ کے ہم عمر تھے، صرف دو ڈھائی سال چھوٹے تھے، حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس دین اسلام کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کی ذمہ داری سب سے پہلے آپ کو ملی اور آپ خلیفہ اول ہوئے، پھر اسی ترتیب سے آپ کے بعد تین دیگر خلفاء ہوئے جو آپ کے سچے جانشین ہوئے اور خلفائے راشدین کہلائے۔ ان سب کے ذریعہ خلافت راشدہ یعنی اعلیٰ معیار کی خلافت کا سلسلہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ۳۰ رسال تک جاری رہا اور حضور ﷺ نے وحی کے ذریعہ جو اخلاق وصفات اور زندگی کی مختلف ذمہ داریوں میں جو طریقہ عمل اختیار کیا تھا اور اپنے صحابہ کو اس کی تربیت دی تھی، اس کے مطابق اسلامی دستور حیات کو صحابہ کرام کے ذریعہ بے کم وکاست جاری کیا جاتا رہا، جس کے ذریعہ آئندہ کے لیے ایک اعلیٰ نظیر بن گئی اور دین صحیح کا راستہ روز روشن کی طرح مقرر ہو گیا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بن گیا۔

اسلامی تعلیمات میں انسانی زندگی کی رعایت کا جو لحاظ رکھا گیا ہے ان سب کا نمونہ ان تیس سالوں میں آجاتا ہے۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اسلامی اقتدار میں جو لوگ تھے وہ سب حضور ﷺ کے صحبت یافتہ تھے اور ایمان میں اعلیٰ درجہ پر تھے، ان پر حکومت ان ہی کی سطح کے لحاظ سے رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری حصہ میں نئی نسل آگئی تھی، نیز دیگر ممالک کے نو مسلم حضرات جو ایمان کے لحاظ سے صحابہ کرام کے درجہ پر نہ تھے وہ بھی خاصے آگئے تھے، ایسی صورت میں اسلام کی طرف سے اجازت کردہ رخصت کا عمل اختیار کرنا قرین مصلحت وحکمت تھا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو محسوس کیا اور اس کو اختیار کیا اور اس کا ایسے حالات میں اختیار کرنا بالکل صحیح اور نظام حکومت کے چلانے کے لیے ضروری تھا۔ اس طرح اس تیس سالہ مدت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا کردار مثالی اور آسمانی تعلیمات کے عین مطابق رہا اور اس میں ذرا بھی کمزوری نہیں آئی۔

حضور ﷺ کے ساتھ ۲۳ رسالہ مدت ان کی تربیت وہدایات میں گذارنے کے بعد آپ کے معتمد ترین اصحاب کو اس اعلیٰ تربیتی اخلاق وحکمت کو عمل میں لانے کے لیے ۳۰ رسال کی مدت بطور نمونہ ملی، جس میں حضور ﷺ کے زمانہ میں اختیار کردہ طریقہ عمل کے عین مطابق کام انجام پائے اور آئندہ کے لیے نمونہ بنا۔ حضور ﷺ کے معتمد ترین خلفاء کے نظام وانصرام کی یہ ۳۰ رسال کی مدت ایسی تھی کہ اس کے اختتام پر نظم وانتظام سنبھالنے کا کام نئی نسل تک بتدریج منتقل ہوا، جس میں براہ راست حضور ﷺ کی سرپرستی نہیں تھی، لیکن عین حضور ﷺ کے زمانہ کی اختیار کردہ شے کی طرح تھی اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی انتظام تھا، وہ یہ کہ دس سال وحی الٰہی کے تحت خود حضور ﷺ کے ذریعہ پھر تیس سال آپ ﷺ کے تربیت یافتہ حضرات کے تحت گزریں اور ان چالیس سال میں دین اسلام کے معیاری نظام کا نمونہ سامنے آجائے اور قیامت تک اسی کو سامنے رکھ کر عمل کی کوشش کی جائے، کیونکہ دین مکمل کر دیا گیا تھا۔

لہٰذا اس کے مکمل ہونے کا نمونہ قیامت تک سامنے رہے، اب اس میں کسی ترمیم کی ضرورت پیش نہیں آنا ہے، قیامت تک انسانوں کی صلاح وفلاح کے لیے وہ بالکل کافی ہے، اس لیے کہ وہ اللہ رب العالمین کا دیا ہوا دین ہے جو انسانوں کے مزاج اور ضرورتوں کو شروع سے آخر تک جاننے والا بلکہ بتانے والا ہے، اسی لحاظ سے اس کو مکمل فرما دیا گیا اور اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی فرما دیا گیا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

(بلاشبہ ہم ہی نے اس نصیحت (نامہ) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

صحابہ کا مقام امتیاز

حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کرام بھی انسان تھے اور گناہوں کا صدور ان سے بھی ممکن تھا بلکہ اسوہ کی تکمیل کے لیے ضروری اور معیاری توبہ رجوع وانابت الی اللہ کے لیے لازمی تھا، جن صحابہ سے گناہوں کا صدور ہوا پھر اس پر جو ان کو خلش اور اپنے کیے ہوئے پر جو ندامت ہوئی وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ ماعز اور غامدیہ کے واقعات شاہد عدل ہیں کہ ان کو اپنے گناہ پر ایسی ندامت ہوئی اور اس کے لیے انھوں نے ایسی قربانی دی کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا اور ان پر ایسی رحمت کی بارش ہوئی کہ اگر پورا شہر مدینہ اس کے ذریعہ اپنی بخشش کروانا چاہتا تو ہو جاتی۔ ع

یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

اللہ کے رسول ﷺ نے حد جاری کرتے وقت ایک صاحب کے نازیبا کلمات سن کر منع فرمایا اور ان کی توبہ کی قبولیت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کو اس طرح بیان فرمایا کہ گویا آپ ﷺ نے ان کی توبہ کو معیار قرار دیا کہ انھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو ان سب کو اپنے سایہ میں لے لے۔ حضرت ابولبابہ سے لغزش ہوئی، مسجد کے کھمبے سے اپنے کو باندھ دیا اور ایک ہفتہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ قبول توبہ کا مژدہ سنا اور پروانہ رحمت پالیا، ایسا گنہگار بندہ جو اس انداز کی توبہ کرنے والا ہو وہ تو محبوب خدا بن جاتا ہے۔

وحشی جن کے سر پر حضرت حمزہؓ کے قتل کا بوجھ تھا، اگرچہ انہوں نے کفر کی حالت میں ایسا کیا تھا پھر بھی مارے شرمندگی وندامت کے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے نہ آتے تھے، وہ بوجھ اس وقت اترا جب انھوں نے مسیلمہ کذاب کو جو دشمن خدا اور رسول تھا قتل کیا اور مسلمانوں کو بڑے امتحان سے بچا لیا۔ نہ جانے کتنے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ سے لغزشیں ہوئیں لیکن ان پر انہوں نے ندامت کے ایسے آنسو بہائے اور اس کے کفارے کے لیے ایسے مجاہدات کیے کہ قیامت تک امت کے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ گناہوں سے آلودہ ہیں، دن رات گناہوں میں پڑے رہتے ہیں توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی، اگر ہوئی بھی تو صرف زبانی۔ زبان پر توبہ، ہاتھ میں سبحہ اور دل میں گناہوں کی خواہش اور شوق۔ یہ ہے ہماری کیفیت، اس پر طرہ یہ کہ اپنے گناہوں کا جواز پیدا کرنے کی تلاش میں رہتے ہیں، بعض تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ صحابہ بھی تو گناہ کرتے تھے، ہم کرتے ہیں تو کیا؟ وہ تو خیر کا زمانہ تھا جب بھی گناہ ہوتے تھے یہ تو شر اور فتنہ کا زمانہ ہے۔ گویا صحابہ کو اپنے گناہ کے لیے سند اور معیار قرار دیا ہے حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے گناہ پر ندامت وشرم ساری اور اس کے کفارہ کے لیے جو مجاہدات اور مشقتیں اٹھائی ہیں، وہ اس میں نمونہ اور معیار ہیں نہ کہ گناہ میں۔ وہ انابت الی اللہ اور رجوع الی الحق میں اسوہ ہیں نہ کہ اپنے گناہوں پر اصرار کرنے اور اس کا جواز ڈھونڈنے میں، اس تبدیلی کو صحابہ کرام نے محسوس کرتے ہوئے اپنے شاگردوں کے سامنے یہ بات کہی کہ تمہارا حال یہ ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کو بس اتنا سمجھتے ہو کہ ناک پر مکھی بیٹھی اور اُڑ گئی، ہم معمولی گناہوں کو بھی ہلاک اور برباد کر دینے والا سمجھتے تھے، جب تک توبہ نہ کر لیتے چین نہ آتا تھا اور اس طرح گھبرائے رہتے تھے کہ پہاڑ ہمارے سروں پر ٹنگا ہے جو گرا ہی چاہتا ہے۔

زندگیاں صحابہ کی

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

کچھ نمونے پیش ہیں آج آپ کی خدمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کہ کیسی تھی ان کی زندگی؟ کیا تھے ان کے حالات؟ کتنا تھا ان کے یہاں اہتمام عبادتوں کا؟ کتنا تھا خیال ان کو سنتوں کو اپنانے کا؟ کتنی تھی فکر ان کو آخرت کی اور کیا حیثیت تھی ان کی نظروں میں دنیا کی؟ احتیاط کا ان کے کیا عالم تھا؟ رضائے الٰہی کا شوق ان پر کتنا غالب تھا؟ صبر ان کا کس پایہ کا تھا؟ وعدۂ خداوندی پر انہیں کتنا یقین تھا؟ اجر وثواب کے حصول کا جذبہ ان پر کتنا طاری تھا؟ دل ان کے کتنے صاف تھے؟ زبان ان کی کتنی پاک تھی؟ عزائم ان کے کتنے بلند تھے؟ خیالات ان کے کتنے اعلیٰ تھے؟ زندگی ان کی کتنی سادہ تھی؟ نظریں ان کی کتنی پاکیزہ تھیں؟ آخرت کی فکر ان پر کتنی غالب تھی؟ دنیا کا خوف ان پر کتنا طاری تھا؟ اخلاق کا ان کے کیا عالم تھا؟ نیتوں کا ان کی کیا معیار تھا؟

بزرگوں کی بزرگی اپنی جگہ، اولیاء کی ولایت کا اپنا مرتبہ اور صحابیت کا شرف تو اس کا کہنا ہی کیا؟! دیکھئے زبان نبوت ان کے بارے میں کیا کہتی ہے: ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔''

''میں نہیں جانتا کہ اب کتنی مدت مجھ کو تمہارے درمیان رہنا ہے چنانچہ میرے جانے کے بعد میرے بعد آنے والوں کی اقتداء کرنا (اور آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے اشارہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی طرف) اور عمار بن یاسر کے راستہ پر چلنا اور عبداللہ بن مسعود جو کچھ تم سے کہیں اس پر یقین کرنا۔''

آیئے! اب دیکھیں کتاب الٰہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

(وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں، ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔)

آیئے! اب ایثار وقربانی کے ایک دو نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیمار ہیں، انگور کھانے کی خواہش ہوتی ہے، ایک درہم میں انگور کا ایک خوشہ خرید کر لایا جاتا ہے، ہاتھ میں وہ خوشہ آ بھی نہیں پاتا کہ ایک سائل آ پہنچتا ہے، حکم ہوتا ہے کہ انگور کا وہ خوشہ اس سائل کو دے دیا جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روزہ سے ہیں، گھر میں صرف ایک روٹی ہے جو افطار کے لیے بچا کر رکھی گئی ہے، دروازہ پر سائل صدا لگاتا ہے، خادمہ کو حکم ہوتا ہے کہ روٹی اس کو دیدی جائے، خادمہ نے عرض کیا کہ آپ روزہ سے ہیں، سحری بھی بہت مختصر تھی، بغیر افطار کے آپ رات کیسے گذاریں گی؟ حکم ہوتا ہے پھر بھی دیدو۔

ان کی عبادت کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں، چہیتے داماد ہیں، ایمان لانے والے خوش نصیب بچوں کی فہرست میں سب سے اوپر آپ کا نام ہے، لیکن حال پھر بھی یہ ہے کہ رات کے اندھیرے میں اور مسجد کے ایک گوشہ میں تنہائی کی حالت میں رب کریم کے سامنے گریہ وزاری کا یہ عالم ہے کہ سننے والے کا دل پھٹا جاتا ہے۔

حضرت طلحہؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے ہیں، باغ اتنا گھنا کہ دن میں بھی رات کا گمان، ایک چڑیا نہ جانے کیسے اندر آ گئی اور ایسی پھنسی کہ پھڑ پھڑاتی رہی لیکن نکل نہ سکی، چڑیا کے پھڑ پھڑانے سے حضرت طلحہؓ کی یکسوئی میں خلل پڑا، نماز میں جو خشوع ہوا کرتا تھا اس میں کچھ فرق آیا، کسی طرح نماز ادا کی اور فارغ ہوتے ہی باغ یہ

کہہ کر صدقہ کر دیا کہ اس کی وجہ سے میری نماز میں خلل پڑا۔

ان کی اتباع سنت کا نمونہ ملاحظہ ہو:

منصب خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جو اعلانات کیے ان میں سب سے پہلا اعلان یہ تھا کہ میں وہی کام کروں گا جو آپ ﷺ کر کے دکھا گئے یا کرنے کا حکم دے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش کیا جاتا اور واضح طور پر کوئی نمونہ اس سلسلہ میں حیات طیبہ کا آپؐ کے سامنے نہ ہوتا تو آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے جاتے، ایک ایک سے ملتے اور اس معاملہ کے سلسلہ میں نبوی طریقہ دریافت کرتے اور جب آپ کے سامنے اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کا طریقہ بیان کیا جاتا تو فرماتے: اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے نبی محمد ﷺ کی سنتوں کے محافظ ہیں۔

حب رسول ﷺ کا یہ نمونہ بھی ملاحظہ کیجیے:

مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کا ایک خط حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔ خط کا مضمون کچھ اس طرح ہے:

دو گانے والی عورتوں نے ایک گانا گایا، ان میں ایک نے اپنے گانے میں اشعار کے ذریعہ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کی، جب کہ دوسری نے اپنے گانے میں مسلمانوں کو ہجو کا نشانہ بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی نرم مزاجی اور رحم دلی کے باوجود لکھا کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والی وہ بدزبان عورت قتل کی مستحق تھی اور مسلمانوں کو ہجو کا نشانہ بنانے والی عورت معافی کی حق دار تھی۔

غزوۂ احد میں حضرت ابودجانہؓ نے اپنی پشت کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ڈھال بنا دیا تھا، ان کی پشت پر تیروں کی بارش ہوتی رہی لیکن انہوں نے اس کو جنبش بھی نہ دی۔

ان کی احتیاط کا عالم دیکھیے:

حضرت عمر فاروقؓ گشت فرما رہے تھے، راستہ میں آپ کا گذر اونٹوں کی ایک چراگاہ سے ہوا، ایک اونٹ آپ کو دوسرے اونٹوں کے مقابلہ کچھ زیادہ ہی فربہ نظر آیا، پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا: آپ کے صاحبزادہ عبداللہ کا۔ یہ سننا تھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، فوراً عبداللہ بن عمر کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ یہ اونٹ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ انہوں نے جواب دیا: یہ اونٹ میں نے خریدا تھا اور اپنے پیسے سے خریدا تھا، اس وقت یہ کمزور اور لاغر تھا۔ میں نے اس کو چراگاہ میں دوسرے اونٹوں کے ساتھ چرنے کے لیے بھیج دیا، دھیرے دھیرے یہ فربہ ہوتا گیا، میرا ارادہ اس کو بیچ کر کچھ نفع حاصل کرنا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر جلال آ گیا۔ آپ نے فرمایا: اس عوامی چراگاہ میں جب تمہارا اونٹ چرنے کے لیے آئے گا تو لوگ یہ سوچ کر کہ یہ خلیفۃ المسلمین کے صاحبزادہ کا اونٹ ہے اس کا خاص خیال رکھیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو چرنے دیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو پانی پلائیں گے، اس طرح تمہارا اونٹ ان کے اونٹوں سے جلدی فربہ ہوگا اور اس کی قیمت ان کے اونٹوں سے زیادہ لگے گی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اے عبداللہ! اس اونٹ کو بیچ دو، جتنی رقم میں تم نے اس کو خریدا تھا وہ رقم اپنی لے لو اور باقی زائد رقم بیت المال میں جمع کر دو کیونکہ وہ تمہارا حق نہیں۔''

خدمت خلق کا جذبہ بھی دیکھیے:

مدینہ میں ایک بزرگ اور نابینا خاتون اکیلی رہتی تھی، حضرت عمر کو ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ ان کے گھر کے کاموں کو انجام دینے میں ان کی مدد کی جائے، لیکن صبح صبح جب وہ ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر کی صفائی ستھرائی ہو چکی ہے، پانی کے مشکیزے بھرے پڑے ہیں، ضرورت کی تمام اشیاء اپنے ٹھکانے پر موجود ہیں، انہیں سخت حیرانی ہوئی کہ صبح سے قبل یہ کام کون کر گیا؟ بوڑھی خاتون سے دریافت کیا تو وہ بولیں: بیٹا! مجھے نہیں معلوم کون خدا ترس آدمی ہے جو یہ تمام کام فجر سے پہلے انجام دے جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ اگلے روز فجر سے قبل بوڑھی خاتون کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ یہ تمام کام انجام دیتے ہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے کہا: ابوبکرؓ! خدا کی قسم میں آپ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

کرامت انسانی کا اصل معیار:

﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاکُمْ﴾(الحجرات: ۱۳)

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنادیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ اللہ کے یہاں تم میں سے بڑا عزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیز گار ہو۔)

بلاشبہ یہ ایک بہت اہم اور بنیادی پیغام دینے والی آیت ہے، جس میں کرامت انسانی کے اصل معیار کو واضح کیا گیا ہے اور یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ہم نے جو خاندانی نظام قائم کیا ہے اور لوگوں کو قبیلوں میں بانٹا ہے وہ اس لیے ہے تا کہ ایک دوسرے کو پہچاننا آسان ہو کہ یہ فلاں خاندان کے ہیں اور یہ فلاں قبیلے کے ہیں، ورنہ پہچاننے میں دشواری ہو کہ کون کہاں کا ہے اور کس جگہ کا ہے اور کس خاندان کا ہے؟

خاندانی نظام میں اونچ نیچ:

دنیا کے اندر خاندانی نظام میں اونچ نیچ پیدا کر لی گئی ہے، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ یہ نظام اونچ نیچ کے لیے نہیں ہے۔ خاص طور سے اسلام کا مساوات انسانیت کا جو نظام ہے وہ شاید کسی دوسرے مذہب میں آسانی سے نہیں ملے گا، دنیا کے اندر جتنے بھی مذاہب ہیں ان تمام مذاہب میں خاندانی بنیادوں پر تفریق کی گئی ہے۔ یہ تفریق یہودیوں کے یہاں بہت زیادہ ہے، ان کے یہاں خاص خاندان ہیں جنہیں شرف حاصل ہوسکتا ہے اور وہ شرف کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ہمارے یہاں برہمن وطن کی جو مذہبی کتابیں ہیں ان کی رو سے ان کو چار خانوں میں بانٹ دیا گیا ہے، جن میں شودر بھی ہیں اور شودر کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو بہت ہی بے چارے گرے پڑے لوگ ہیں، جن کو صرف خدمت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے، وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتے اور کسی بڑے منصب پر فائز نہیں ہوسکتے، یہاں تک کہ ان کے یہاں یہ بات کہی جاتی تھی اور اب بھی مذہبی اعتبار سے اس کی اہمیت ہے کہ اگر شودر مذہبی کتابیں سن لیں تو ان کے کانوں میں سیسہ پلا دیا جائے اور وہ مندروں میں بھی نہیں جاسکتے۔ ان کے یہاں اونچ نیچ کا پورا نظام ہے، بالخصوص ان کے یہاں پنڈت کا جو مقام ہے وہ کبھی کسی کا نہیں ہوسکتا، خواہ کوئی کتنی ہی محنت کرے، کتنی ہی ریاضت کرے، کتنا ہی علم میں بڑھ جائے، کتنا ہی وہ اپنی پوجا پاٹ میں آگے بڑھ جائے، لیکن وہ پنڈت کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

اسلام کا درس مساوات:

الغرض دنیا کی تمام قوموں میں تقریباً اونچ نیچ کا تصور ہے، لیکن اسلام ہمیں مساوات انسانیت کا درس دیتا ہے اور یہ بات فرماتا ہے کہ

﴿إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾

(ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنادیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔)

دنیا میں آنے والے جتنے بھی انسان ہیں، وہ کالے ہوں یا گورے، ٹھگنے ہوں یا لمبے، عقل مند ہوں یا بے وقوف، پڑھے لکھے

ہوں یا جاہل، دیہات کے ہوں یا شہر کے، غرض کہ جو بھی ہوں وہ انسان ہیں تو آدم وحوا کی اولاد ہیں اور اس حیثیت سے وہ انسانی برادری میں شامل ہیں اور ایک انسان پر دوسرے انسان کا بنیادی حق ہے۔ آدمی کسی کو سمجھتا ہے کہ وہ کس کام کے ہیں، وہ کس مصرف کے ہیں، وہ جاہل ہیں، وہ کچھ نہیں کر سکتے، وہ برباد ہو جائیں، وہ مر جائیں، وہ ختم ہو جائیں، ہم سے کیا لینا دینا، یہ تصور غیر شرعی اور غیر اسلامی تصور ہے جو اس وقت دنیا میں رائج ہے۔

خود غرضی کا دور:

اس وقت خود غرضی کا عالم یہ ہے کہ ملکوں کے لوگ ہوں یا خاندانوں کے لوگ ہوں، وہ اپنے ہی دائرہ کو دیکھتے ہیں اور اپنے دائرہ کے جو لوگ ہیں انہی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں، باقی دائرہ کے باہر کے جو لوگ ہیں وہ ان کو جانور سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر یہودیوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام لوگوں کو جانور سمجھتے ہیں، ان کا مشن ہے یہ کہ دنیا کے تمام لوگوں کو ایسا بنا دیا جائے کہ ان کے اندر سر اٹھانے کی صلاحیت ختم ہو جائے، وہ صرف خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور اپنے بارے میں ان کا یہ تصور ہے کہ

﴿نَحْنُ أَبْنَاء اللّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾

(ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔)

یہود کے یہاں یہ عجیب وغریب غیر اسلامی تصورات ہیں کہ ہم تو خدا کے چہیتے ہیں اور ہمیں تو آگ چھوئے گی بھی نہیں وغیرہ۔

دین وشریعت سے یہود کا کھلواڑ:

حقیقت میں یہود بھی نبیوں کے ماننے والے اور صحیح دین کے حامل ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی اولاد میں ایک طرف حضرت اسحاق کو پیدا کیا اور دوسری طرف حضرت اسماعیل کو پیدا کیا۔ یہود حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، جن کے اندر بے شمار انبیاء کرام دنیا میں بھیجے گئے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "تترا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ مسلسل، پے در پے نبی آئے، فرمایا:

﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا﴾

(پھر ہم نے مسلسل رسول بھیجے۔)

لیکن یہود نے نبیوں کے ساتھ بدسلوکی کی، کسی کو قتل کیا اور کسی کو آخری درجہ تک پہنچا دیا اور جتنی بھی گستاخی ممکن ہے وہ سب کر ڈالی، یہاں تک کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو ذبح تک کیا اور ان کے سروں پر آرے تک چلا دیے۔ یہودیوں کی یہ تاریخ رہی ہے، ان کے یہاں یہ تصور تھا کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور نبی ہمارے درمیان آتے رہے ہیں، اس لیے ہمیں جو مقام ملا ہے وہ مقام دنیا میں کسی انسان کو نہ ملے گا نہ ملا ہے۔ اسی لیے سب سے زیادہ نسلی تفاوت یہودیوں کے اندر ہی پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ تصور بھی تھا کہ نبی انہی میں آئے گا، دوسروں میں نبی نہیں آئے گا، اسی لیے جب اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے اور تورات کی پیشین گوئیوں کے مطابق ان کو اس کا یقین بھی تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں، تب بھی انہوں نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ نبی تو بنو اسحاق میں آسکتا ہے، بنو اسماعیل میں کہاں سے نبی آگیا؟ گویا یہ ان کا ٹھیکہ تھا۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ کیا وہ اللہ کی طرف سے متعین ہیں کہ جس کو وہ چاہیں گے اس کو نبی بنائیں گے، اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ پیغمبری کہاں بھیجے، وہ کب سے اس کے ٹھیکیدار بن گئے کہ فلاں قوم میں نبی آئے گا اور فلاں قوم میں نہیں آئے گا، فرمایا:

﴿اللّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾

(اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں کس کو اپنا رسول بنائے۔)

ایک دوسری جگہ فرمایا کہ نبی تو ہر قوم میں آئے ہیں:

﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾

(اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو)

اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کو خاص طور پر بنو اسماعیل میں بھیجا۔

طلاق کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

”چھوڑدیا“ اور ”آزاد کردیا“ سے طلاق:

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، یا کہا کہ میں نے تم کو آزاد کردیا، تو چوں کہ جب بیوی سے منسوب کرکے یہ الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان سے صرف طلاق ہی مراد لی جاتی ہے، لہٰذا ان الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجائے گی، ایک بار کہا تو ایک طلاق رجعی، دو بار کہا تو دو طلاق رجعی اور تین بار کہا تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی۔ (شامی: ۵۰۴/۲، ہندیہ: ۳۷۹/۱)

”جواب دیا“ سے طلاق:

اسی طرح بعض جگہوں پر ”میں نے تم کو جواب دیا“ کو بھی صرف طلاق کے معنی میں لیا جاتا ہے، لہٰذا اس سے بھی بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجائے گی اور رجعی ہوگی۔

(أیضاً، نیز دیکھئے: أحسن الفتاویٰ: ۱۹۴/۵)

”تو مجھ پر حرام ہے“ سے طلاق:

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، تو اوپر ذکر کردہ وجوہات سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن چوں کہ حرمت صرف طلاق بائن سے ہوتی ہے، رجعی سے حرمت نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے طلاق بائن واقع ہوگی اور شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار ختم ہوجائے گا، البتہ عدت کے دوران یا اس کے بعد اس سے نکاح کرسکتا ہے، بشرطیکہ عورت بھی رضامند ہو۔ (شامی: ۵۰۳/۲-۵۰۴)

طلاق کے ساتھ کسی صفت کا اضافہ کرنا:

طلاق صریح کو اگر کسی صفت کے ساتھ جوڑ کر بیوی کو طلاق دے مثلاً: کہے کہ میں تمہیں طلاق بائن دیتا ہوں یا سخت طلاق دیتا ہوں یا کسی ایسے لفظ سے جوڑ کر طلاق دے جو شدت اور زیادتی پر دلالت کرنے والا ہے تو اس صورت میں طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

(شامی: ۵۰۹/۲، ہدایة مع الفتح، کتاب الطلاق، فصل فی تشبیه الطلاق: ۳۸۷/۳)

رجعت کے احکام:

اگر بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دی ہیں تو جب تک عدت باقی ہے، شوہر کو بیوی سے رجوع کرنے کا اختیار ہے، رجوع یا رجعت کے لفظی معنی لوٹنے کے ہیں اور فقہ میں رجوع یا رجعت اس کو کہتے ہیں کہ ایک یا دو طلاق رجعی دینے کے بعد بیوی کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا جائے۔ (ہندیہ: ۴۶۸/۱)

بیوی سے رجوع کرنے کا اختیار اسی وقت ہوتا ہے جب طلاق رجعی دی جائے، چنانچہ اگر غیر مدخول بہا عورت کو طلاق دی تو فوری طور پر طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا رجوع نہیں ہوسکتا، اسی طرح اگر طلاق کے ساتھ شدت پر دلالت کرنے والے الفاظ سے طلاق دی جائے تو طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے اور رجوع کرنے کا اختیار نہیں رہتا اور یہی حکم اکثر کنائی الفاظ سے طلاق دینے کا ہے، چنانچہ ان سے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے اور رجوع کرنے کا اختیار نہیں رہتا، خواہ طلاق ایک ہی کیوں نہ واقع ہوئی ہو۔ رجوع کرنے کی اجازت کتاب وسنت سے ثابت ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾

(اور اس (مدت) میں ان کے شوہر ان سے رجوع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، اگر انہوں نے (حالات کی) درستگی کا ارادہ کرلیا ہو)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾

(پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت (کے قریب) پہنچ جائیں تو یا بھلے طریقہ پر ان کو (اپنے نکاح میں) روکے رکھو یا بہتر طریقہ پر ان کو جدا کردو۔)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا تو وہ رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہوتا تھا، اگرچہ وہ اس کو تین طلاق ہی کیوں نہ دے دے تو اس کو منسوخ کردیا گیا اور فرمایا گیا:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾(البقرۃ: ۲۲۹)

یعنی طلاق کے بعد رجوع کرنے کا اختیار صرف دو طلاق تک ہے، اس کے بعد یہ اختیار ختم ہوجائے گا۔(سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد ثلاث تطلیقات: ۲۱۹۵)

رجعت کی اقسام:

پھر رجعت کی دو قسمیں ہیں؛ مستحب اور سنت سے ثابت رجعت اور بدعی رجعت۔

مستحب رجعت یہ ہے کہ قولی طور پر بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں رجوع کرے مثلاً: اس سے کہے کہ میں نے تم سے رجوع کیا، یا کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کیا، چنانچہ اگر گواہوں کی غیر موجودگی میں رجوع کیا، یا گواہوں کی موجودگی میں رجوع کیا، لیکن بیوی کو خبر نہیں دی تو اگرچہ شرعاً رجوع صحیح ہوجائے گا، لیکن یہ بدعی اور سنت کے مخالف رجعت ہوگی۔

(ہندیہ:۱/ ۴۶۸، شامی:۲/ ۵۷۴-۵۷۵)

بدعی اور غیر مستحب رجعت یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ کوئی ایسا فعل کردے جو صرف بیوی کے ساتھ جائز ہوتا ہے مثلاً: اس سے عدت کے دوران وطی کرلے، یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لے لے، اس طرح کرنے سے احناف کے نزدیک رجوع ہوجاتا ہے، لیکن رجوع کرنے کا یہ مکروہ طریقہ ہے اور اس طرح کرلیا تو مستحب یہ ہے کہ پہلے بیان کردہ طریقہ کے مطابق دوبارہ رجوع کرے۔(ہندیہ:۱/ ۴۶۸)

صریح رجعت؛ پھر قولی رجعت کسی ایسے لفظ سے کی جائے جو صرف رجوع کرنے ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے کہے کہ میں نے تم سے رجوع کیا، یا بیوی کی غیر موجودگی میں کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کیا، یا بیوی کا نام لے کر کہے کہ میں نے فلانہ سے رجوع کیا، تو ان الفاظ سے رجعت ہوجائے گی خواہ اس کی رجعت کی نیت ہو یا نہ ہو، یا خواہ ان الفاظ کو مذاق میں کہا ہو، یا یہ الفاظ سبقت لسانی سے زبان سے نکل گئے ہوں، یہی حکم ہوگا جب وہ ''رجوع کیا'' کے بجائے کہے کہ ''میں نے تم کو واپس لیا'' یا ''تمہیں روک لیا'' وغیرہ۔ (شامی:۲/ ۵۷۴-۵۷۵، ہندیہ:۱/ ۴۶۸)

کنائی رجعت؛ اور اگر کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جس سے رجعت بھی مراد ہوسکتی ہے اور کوئی دوسرا مفہوم بھی ہوسکتا ہے مثلاً: کہے کہ تم میرے پاس جیسے پہلے تھیں اسی طرح ہو، یا تم میری بیوی ہو، تو اگر یہ الفاظ رجوع کرنے کی نیت سے کہے تو رجوع ہوجائے گا ورنہ نہیں۔ (ہندیہ:۱/ ۴۶۸)

جس عورت کو دخول سے پہلے طلاق دی اس سے رجوع جائز نہیں:

اگر کسی عورت سے شادی کرنے کے بعد اس سے دخول کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو پیچھے گذر چکا ہے کہ اس سے رجوع نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ طلاق بائن ہے اور اگر شادی کے بعد خلوت اختیار کی، یہاں تک کہ بوس وکنار بھی کیا، لیکن دخول یعنی خاص تعلق قائم نہیں کیا، تب بھی اگر اس کو طلاق دے دی تو بائن ہوگی اور رجوع کرنے کا اختیار نہیں رہے گا، اس لیے کہ خلوتِ صحیحہ کو دخول کے حکم میں صرف مہر کے مسائل میں قرار دیا جاتا ہے، رجوع کے مسائل میں خلوت دخول کے حکم میں نہیں ہے۔ (شامی:۲/ ۵۷۴-۵۸۱)

رجعت کا اختیار صرف عدت تک رہتا ہے:

طلاق رجعی دینے کے بعد رجوع کرنے کا اختیار صرف عدت باقی رہنے تک رہتا ہے، چنانچہ اگر عدت ختم ہونے کے بعد رجوع کیا، یعنی حاملہ عورت سے وضع حمل کے بعد یا غیر حاملہ سے تین حیض گذر جانے کے بعد یا اگر اس کو حیض بھی نہیں آتا ہے تو تین مہینے گزر جانے کے بعد رجوع کیا تو یہ رجوع صحیح نہیں ہوگا، ہاں اگر طلاقیں صرف دو دی ہیں تو عورت اگر راضی ہو تو نئے مہر سے نکاح کرسکتا ہے۔

(ہندیہ:۱/ ۴۶۸-۴۷۲)

عدت گزرنے کے بعد رجوع کا دعویٰ:

اگر عدت گزرنے کے بعد شوہر نے کہا کہ میں نے عدت کے دوران رجوع کرلیا تھا اور وہ اس پر گواہ پیش کردے، یا گواہ پیش نہ کرسکے، لیکن بیوی اس کی تصدیق کردے تو رجوع صحیح مان لیا جائے گا، لیکن اگر نہ گواہ پیش کیے، نہ عورت نے تصدیق ہی کی، تو اب شرعاً رجوع معتبر نہیں مانا جائے گا۔ (شامی:۲/ ۵۷۷)

شہادت اور شہید کا قرآنی مفہوم

عبدالسبحان ناخداندوی

شہادت دوطرح سے ہوتی ہے، دنیا میں لوگوں کے سامنے اخروی صداقتوں کی شہادت، یعنی وہ دنیا میں رہ کر آخرت کا انسان بنے، اور مادیت زدہ انسانیت کے سامنے اخروی حقائق اور فوائد پیش کرے، آخرت کے عذاب کا یقین دلاکر اس کا خوف پیدا کرے، وہ زبان سے بھی یہ پکار لگاتا رہے کہ ایک اللہ کی خدائی کو تسلیم کیے بغیر کسی کام کی چول صحیح نہیں بیٹھ سکتی، وہ عملاً آخرت کے کاموں کے لیے اپنے آپ کو وقف کرکے دنیاداروں کے سامنے ایک لافانی مثال پیش کرے، وہ لینے کے بجائے نوازنے کے عمل میں پیش پیش رہے، وہ اللہ سے اجر کی توقع رکھتے ہوئے قربانی پر قربانی پیش کرتا جائے، وہ اللہ کے احکام وفرامین کو واضح کرنے میں نہ کوئی عار محسوس کرے، نہ کسی قسم کا خوف اسے دامن گیر ہو، اس کا ہر کام اللہ کی ذات سے شروع ہوکر اللہ ہی کی ذات پر ختم ہوجائے، اس کی گواہی قولی اور عملی ہونے کے ساتھ حالی بھی ہو، اس کی ایک ایک ادا سے فریضہ شہادت ٹپکے اور معلوم ہو کہ اس کا کام دنیا سے رس کشید کرنا نہیں بلکہ دنیا کے کانٹے چن کر اسے پھولوں سے بھر دینا ہے، واضح رہے کہ کسی چیز کی چاہت اس چیز کو قربان کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں کرتی، دنیا کی چاہت رکھ کر دنیا کو قربان کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا، اس کے لیے آخرت کی چاہت درکار ہے، اور اللہ امت وسط کے لیے آخرت چاہتا ہے؛ ﴿تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ﴾ (تم دنیا کا ساز وسامان چاہتے ہو جب کہ اللہ آخرت چاہتا ہے) ﴿وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُوراً﴾ (جو آخرت چاہے اور اس کے لیے وہی کوشش کرے، وہ صاحب ایمان بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش قابل قدر ٹھہرے گی) یہ بھی ذہن میں رہے کہ دنیا قربان کرنے کا مطلب غیروں کے ہاتھ میں اقتدار سونپ کر خود کسی گمنام گوشے میں چلے جانا نہیں ہے، دنیا قربان کرنے کا مطلب فاروقی کردار کو اپنانا ہے، ایک طرف آپ کے دونوں پاؤں قیصر و کسریٰ کی گردنوں پر تھے، دوسری طرف ذاتی زندگی ایسی کہ اگر صحیح تاریخ میں آپ کے واقعات درج نہ ہوتے تو یقین کرنا دشوار تھا، یہ ہے ''شہادت علی الناس''، یعنی دنیا میں رہ کر لوگوں کے سامنے حق و صداقت کی روشن مثال پیش کرنا، تاکہ لوگوں کے سامنے پورا منظر آجائے، اور خدا پرستی کے لیے تمام راہیں کھل جائیں۔

دنیا میں جو آخرت کی ایسی سچی تصویر پیش کرے وہی آخرت کا گواہ بنے گا، رسول اکرم ﷺ نے امت وسط کی تشریح جو امت عدل سے فرمائی ہے، اس میں یہ بھی مفہوم ہے کہ یہ حق کی گواہ امت ہے، اس لحاظ سے اس میں کمال اور جامعیت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، اوپر کی مکمل تشریح امت عدل ہونے کا بیان ہے۔

جہاں تک آخرت کی گواہی کا تعلق ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت نوحؑ کو قیامت کے دن بلاکر پوچھا جائے گا کہ تم نے پیغام پہنچایا؟ وہ کہیں گے؛ ہاں، پھر ان کی قوم کو بلاکر پوچھا جائے گا: کیا نوح نے تمہیں پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے؛ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، بلکہ سرے سے کوئی آیا ہی نہیں، حضرت نوحؑ سے کہا جائے گا؛ کیا تمہارا کوئی گواہ بھی ہے؟ وہ فرمائیں گے کہ محمد (ﷺ) اور آپ کی امت میری گواہ ہے، آپ نے یہ پوری بات بیان فرماکر ارشاد فرمایا: اللہ کے ارشاد ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً﴾ میں یہ ''وسط'' سے مراد امت عدل ہے، پھر تمہیں بلایا جائے گا، تم حضرت نوحؑ کے حق میں گواہی دوگے اور میں تمہاری گواہی دوں گا (یعنی تمہارے سچے ہونے کی) امام احمدؒ کی ایک روایت میں یوں ہے؛ قیامت میں کوئی نبی اس حال میں آئیں گے کہ ان کے ساتھ ایک شخص ہوگا، کچھ ایسے ہوں گے جن کے ساتھ دو یا اس سے زائد لوگ ہوں گے، پھر ان کی قوم کو بلاکر سوال ہوگا کہ اس فلاں نبی نے تمہیں بات پہنچائی تھی؟ قوم کے لوگ کہیں گے؛ نہیں، نبی سے سوال ہوگا؛ کیا تم نے پیغام پہنچایا؟ وہ کہیں گے ہاں، سوال ہوگا؛ تمہاری گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے کہ محمد اور ان کی امت میری گواہ ہے، امت محمد یہ سے سوال ہوگا کہ اس فلاں نبی نے اپنی قوم کو پیغام پہنچایا تھا؟ امت کہے گی؛ بالکل پہنچایا تھا، سوال ہوگا؛

تمہیں کیسے معلوم؟ امت کہے گی؛ ہمارے رسول نے ہمیں خبر دی کہ تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو صحیح پیغام پہنچایا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً﴾ کا یہ مطلب ہے، یعنی یہ امت بڑی عادل امت ہوگی، انصاف کی گواہی دے گی۔

آخرت کی اس گواہی میں یہ منظر دکھایا گیا ہے کہ کوئی نبی ہو، کسی دور کا ہو، یہ امت سچوں کے حق میں سچی گواہی دے گی، اور گواہی کی بنیاد رسول اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی بات ہوگی، گویا نبی کی بات پر آنکھ بند کرکے یقین کرنا، اس امت کی خصوصیت ہے، وہی یقین اور اعتماد دنیا کی گواہی میں بھی مطلوب ہے، جسے اپنے نبی کی تعلیمات اور صداقتوں پر جس قدر یقین ہوگا وہ اتنا ہی سچا گواہ ہوگا اور دنیا کے سامنے سچا نمونہ پیش کرنے کے قابل ہوگا۔

قرآن میں امت مسلمہ کے گواہ ہونے سے متعلق ارشاد ہے ﴿لِتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ﴾ (تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو) لوگوں پر گواہ بننے کا مطلب ان کے اچھے کاموں کو اچھا بتا کر ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور غلط کاموں کو غلط قرار دے کر اس سے دور رکھنے کا ہے، گواہی کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اس امت کو وہ بھرپور علم دیا گیا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کیا اللہ کو پسند ہے اور کون سی چیز اسے ناپسند ہے، گواہی کے لیے عمل کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جس کام کے اچھا ہونے کی وہ گواہی دے رہا ہے خود بھی وہ کام کرے تب اس کی گواہی مکمل ہوگی، اسی طرح بعض کام کو وہ غلط قرار دے رہا ہے، خود بھی اس سے دور رہے، اسی طرح گواہی کے لیے جرأت کی بھی ضرروت ہوتی ہے، وہ ڈنکے کی چوٹ پر صحیح کے صحیح ہونے اور غلط کے غلط ہونے کو بتائے، اسی طرح گواہی کے لیے ترغیب و ترہیب اور نفع نقصان سے بالاتر ہونے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اس امت پر واجب ہے کہ وہ حق کی گواہی میں کسی نفع نقصان کی پرواہ نہ کرے، نہ کسی کی ترغیب میں پھنسے، نہ کسی کی ترہیب سے ڈرے۔

قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کی گواہی کے متعلق ارشاد ہے ﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾ (اور تاکہ رسول خود تمہارے گواہ بنیں) آخرت کی گواہی کے بارے میں بات گذر چکی، دنیا کی گواہی کی بنیاد بھی رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہے، آپ نے حق وصداقت کا جو معیار قائم فرمایا، شہادت علی الحق کی جو مثال پیش فرمائی، امت کی کل گواہی اسی کی روشنی میں ہوگی، ورنہ رسول کی گواہی سے ہٹ کر پیش کی جانے والی گواہی انحراف ہے، آیت مبارکہ رسول اکرم ﷺ کو مصدر ہدایت اور مرکز صداقت کے طور پر پیش کر رہی ہے، اور اس کا لب لباب یہی ہے کہ اب ابراہیمی امامت کا منصب عالمگیر پیمانے پر محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کیا جا رہا ہے، آپ ہی امام اعظم اور آپ ہی شہید اعلیٰ ہیں، اب اسلام، ایمان، اطاعت، دین، ملت ابراہیمی، صبغۃ اللہ ہر چیز کو شہادت محمدی کی روشنی میں دیکھا جائے گا، آپ کی گواہی پر جو چیز کھری اترے گی وہی حق وصداقت ہے، اور جسے آپ کی طرف سے سند شہادت حاصل نہ ہو وہ چاہے جس قدر آن بان کے ساتھ نمودار ہو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارک کل انسانیت کا جوہر خالص اور لب لباب ہے، منصب نبوت و رسالت پر بھی آیت سے روشنی ملتی ہے، جو لوگ خدمت قرآن کے نام پر ذات رسالت سے بُعد رکھتے ہیں اور آپ کے منصب کو قصداً سمجھنا نہیں چاہتے، ان کی نادانی اور جہالت بھی اس آیت سے معلوم ہوتی ہے، جب رسول اکرم ﷺ اس پوری امت پر گواہ ہیں، تو پھر آپ کی گواہی کی روشنی میں حق اور ناحق کا معیار طے ہوگا، آپ کی گواہی جاننے کا ذریعہ آپ کی سنت اور آپ کی مبارک احادیث ہیں، جن پر اعتماد کیے بغیر امت مسلمہ اپنی حیثیت سے ایک انچ بھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اسی طرح یہ مبارک آیت صحابہ کرام کی فضیلت کو بھی واضح کرتی ہے، صحابہ کرام اس امت کے اولین گواہ ہیں اور امت وسط ہونے کے سب سے زیادہ مستحق بھی وہی ہیں، ان کی عام گواہی کو بھی رسول اکرم ﷺ بڑی اونچی حیثیت دیتے تھے، واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ کوئی جنازہ گذرا، جس کی صحابہ نے تعریف کی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وجبت وجبت وجبت" پھر دوسرا جنازہ گذرا، اس پر صحابہ نے ناپسندیدگی ظاہر کی، آپ ﷺ نے فرمایا: "وجبت وجبت وجبت" حضرت عمر نے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو فرمایا: جس کی تم نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب اور جسے تم نے برا بتایا اس کے لیے جہنم ثابت ہوگئی، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ (مسلم)

اہل سنت والجماعت کا مسلک

مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ

یہ ہم اہل سنت کا امتیاز ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کرتے ہیں، ان کی فضیلت کے قائل ہیں اور اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے اس سرمایہ پر فخر کرتے ہیں۔ یہی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کا مسلک تھا۔ یہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک تھا۔ میں نے صاف پڑھا ہے کہ جب ان کے والد (حضرت شیخ عبدالاحد سرہندیؒ) کا انتقال ہونے لگا، بالکل سکرات کا وقت تھا، حضرت مجدد صاحب نے کہا کہ ابا جان! آپ بہت کہا کرتے تھے کہ اہل بیت کی محبت کا حسن خاتمہ میں بہت دخل ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ

''میں دیکھ رہا ہوں اور پھر اس جگہ یہ شعر لکھا ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہؓ
کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ''

یہ ہمارا شعار ہے، ہم کسی قیمت پر بھی اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، ہم خلفائے راشدین کو "أحق الناس بالخلافة" اسی ترتیب کے ساتھ اور ان کی اولیت بھی اسی ترتیب کے ساتھ مانتے ہیں۔ پہلے نمبر پر خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، دوسرے نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، تیسرے نمبر پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم اس ترتیب کے بھی قائل ہیں اور ان کی افضلیت کے بھی قائل ہیں اور ان کی خلافت کی حقانیت کے بھی قائل ہیں۔ اس کے ساتھ ہم اہل بیت سے بھی محبت رکھتے ہیں اور ہم حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے اقدام کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں۔

ہمارے تمام قابل اعتماد اور لائق استناد مجتہدین اور ائمہ سب متفق ہیں یزید کے فعل کی شناعت اور یزید کے فسق پر۔ امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق صاف آیا ہے کہ ان کے صاحبزادہ نے کہا کہ بیٹا جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو کیا وہ یزید کو پسند کرسکتا ہے؟ صاحبزادہ نے عرض کیا کہ پھر آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نے اپنے باپ کو کب کسی پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴/۴۴۳)

یہی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، جب ان کا مکالمہ تاتاری قائد بولائی سے ہوا تو یزید کے بارے میں بڑے سخت الفاظ استعمال کیے اور اس سے اپنی براءت کا اظہار کیا اور اس کے فعل کی شناعت بیان کی۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴/۵۵۱)

یہی مسلک تھا حضرت مجدد الف ثانی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کا اور ہمارے تمام پیشواؤں کا یہی مسلک تھا۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ میں ان کو جانتا ہوں کہ ان کو اہل بیت سے کتنا تعلق تھا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے کتنا تعلق تھا، یہاں تک کہ ان کے منتسبین تک سے ان کا جو معاملہ تھا وہ ہم سب جانتے ہیں۔ اس خصوصیت سے ہم کو کبھی دست بردار نہیں ہونا چاہیے اور اس بارے میں کوئی سودا نہیں کرنا چاہیے۔ نہ عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں، نہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ترتیب کے بارے میں اور نہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے فعل کی صحت کے بارے میں اور نہ ان کے اقدام کے صحیح اور مبارک ہونے کے بارے میں۔

خوارج ایک طرف چلے گئے، روافض ایک طرف چلے گئے، یہ بے توفیق تھے اور خدا کی نصرت، اس کی رہنمائی اور اس کی ہدایت سے محروم تھے، خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی اور

روافض نے خلفائے ثلاثہ کی تکفیر کی اوران کے ائمہ جو یہ بات کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف تین آدمی دین پر قائم رہے اور بقیہ لوگوں نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا، معاذ اللہ اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناکامی کا اعلان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر صحبت کی تاثیر کا انکار اور کیا ہوگا؟ یہ تو عیسائیوں اور یہودیوں نے بھی نہیں کیا، چنانچہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے اور اس سے بہتر بات نہیں ہوسکتی اور میں اسی پر اپنی بات ختم کروں گا، وہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری امت میں امت یہودیہ میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ کون تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی۔ عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تم اپنی امت میں سب سے افضل اور سب سے بہتر کسے سمجھتے ہو اور امت عیسوی میں نمونہ کامل کون لوگ تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ روافض سے پوچھا گیا کہ امت اسلامیہ میں سب بدتر اور خراب تر لوگ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی۔

جن کا یہ سب فیض ہے اور یہ جو آج روشنی نظر آرہی ہے بقول شاعر

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت وعقیدت، ان کی افضلیت کا عقیدہ اور ان کی خلافت کو برحق ماننا اور حضرات حسنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں کے اقدام کو بالکل صحیح سمجھنا اور ان کے لیے دعائے خیر کرنا اور ان سے محبت کرنا یہ ہمارا آپ کا شعار ہے اور اس پر ہم کو فخر ہے اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم اس پر زندہ رہیں اور اسی پر دنیا سے جائیں۔

(ملاحظہ ہو؛ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا رسالہ ''خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت میں قدرت الٰہی کی کارفرمائی اور حضرات حسنینؓ کے اقدام میں امت کے لیے رہنمائی'' (از ص/۷ تا ص/۴۳) ط: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ)

شیعی افسانے اور خلفائے ثلاثہ اور اہل بیت کے تعلقات

مولانا عتیق احمد بستوی

''انسان جب ایک جھوٹ بولتا ہے تو اسے نبھانے کے لیے دسیوں جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ شیعوں نے غصبِ خلافت کا جو افسانہ تراشا اسے نبھانے کے لیے انہیں پوری ایک تاریخ گڑھنی پڑی۔ اپنے باطل عقائد اور مفروضات کو سہارا دینے کے لیے ایک طرف انہوں نے خلفائے ثلاثہ کے زرّیں دور کو تاریخ اسلام کا تاریک ترین دور قرار دیا اور ہزاروں ناکردہ گناہ خلفائے ثلاثہ کی طرف منسوب کیے۔ دوسرے طرف انہوں نے اس بات کی ناکام کوشش کی کہ خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ) اور اہل بیت نبویؐ (حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ وغیرہ) کے باہمی تعلقات کی ایسی نوعیت بیان کریں جو دشمنوں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسوں کی ہوا کرتی ہے۔ افسانوں اور افواہوں کی گرد میں حقائق اور سچائیاں تھوڑی دیر کے لیے چھپ سکتی ہیں لیکن انہیں مٹایا نہیں جاسکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور اہل بیت نبوی ﷺ کے تعلقات حد درجہ خوشگوار اور قابل رشک تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو حضرات اہل بیت کے سرخیل تھے، خلفاء ثلاثہ کے مرتبہ شناس اور قدرداں تھے۔ انہوں نے اپنے پیشتر تینوں خلفاء کے ہاتھوں پر خوشی خوشی بیعت کی۔ کارِ خلافت میں تینوں خلفاء کا پورا ہاتھ بٹایا۔ انہیں پورا تعاون دیا۔ ہر نازک موقع پر خلفائے ثلاثہ کا ساتھ دیا اور خلفائے ثلاثہ نے اہل بیت نبویؐ کے ساتھ عزت وتوقیر کا معاملہ کیا۔ ہر ہر قدم پر قرابتِ نبوی ﷺ کا خیال رکھا۔ تمام اہم کاموں میں حضرات اہل بیت خصوصاً حضرت علیؓ سے مشورہ کیا۔ ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دی اور کارِ خلافت میں انہیں ہمیشہ شریک رکھا۔''

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

محمد ارمغان بدایونی ندوی

بلاشبہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد تاریخ انسانی کی سب سے محترم و بابرکت جماعت ہیں، یہ وہ قدسی نفوس ہیں جنہوں نے انبیاء میں سب سے افضل ومحبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے براہِ راست کسبِ فیض کیا، خود کو آپ کے دامن تربیت سے وابستہ کیا، اپنے اندر ایمان کی چنگاری کو فروزاں کیا، یہاں تک کہ وہ تاریخ انسانی کی سب سے مثالی جماعت قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان متبرک نفوس کی غیر معمولی ریاضتوں، قربانیوں اور جاں فشانیوں کا یہ صلہ دیا کہ ان کے ایمان، ان کی عبادات، ان کے معاملات اور ان کی زندگیوں کو قیامت تک تمام اہل ایمان کے لیے ایک معیار اور نمونہ بنا دیا۔

قرآن میں صحابہؓ کے ایمان کو معیار بناتے ہوئے ارشاد ہوا:

﴿فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ﴾(البقرة: ۱۳۷)

(تو اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ راہ پر آ گئے۔)

صحابہ کرامؓ کے تقویٰ کے متعلق گواہی دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾

(الفتح: ۲۶)

(اور اللہ نے ان (صحابہؓ) کو پرہیزگاری کی بات پر رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اس کے اہل تھے۔)

اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادات کو اسوہ بناتے ہوئے فرمایا:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾

(النور: ۲۷)

(وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دیتے رہنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن دل اور نگاہیں الٹ پلٹ جائیں گی۔)

اللہ تعالیٰ نے ان کی سحر خیزی کو معیار بناتے ہوئے فرمایا:

﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً﴾

(السجدة: ۱۶)

(ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے رہتے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی اخلاقی زندگی کو یوں بیان کیا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

(الحشر: ۹)

(اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ خود تنگدستی کا شکار ہوں۔)

دین و ایمان کی خاطر صحابہ کی انتھک کوششوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَالَّذِينَ هَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ أُوْلَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّهِ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾البقرة: ۲۱۸)

(یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوں گے اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔)

حقیقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی وہ مقدس نفوس ہیں جن کے ایمان کی گواہی اللہ نے قرآن مجید میں بیان کی ہے اور انہیں سو فیصد برحق اہل ایمان بتایا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ

وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾(الأنفال: ٤)

(وہی حقیقت میں ایمان والے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس (بلند) درجے ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔)

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت ہی انتہائی محترم اور قابل نمونہ ہے، لیکن ان میں بھی بعض قدسی نفوس ایسے ہیں جنہیں اپنی جماعت میں ممتاز مقام حاصل ہے، جن میں خاص طور پر چاروں خلفائے راشدین اور عشرۂ مبشرہ ہیں، پھر اس کے بعد فضائل کے لحاظ سے بالترتیب دیگر صحابہ کرامؓ ہیں، لیکن ان سب میں حضرات شیخین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ عنہما کو جو غیر معمولی بلند مقام حاصل ہے وہ انہی کا حصہ ہے، یہ دونوں بابرکت حضرات اللہ کے رسول ﷺ کے دست وبازو تھے، بالخصوص ہجرت کے موقع پر سخت آزمائش کے عالم میں حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت اور جناب رسالت مآب ﷺ سے ان کی گفتگو کا تذکرہ قرآن مجید میں مذکور ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾

(التوبة: ٤٠)

(دو میں ایک جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم مت کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اپنی سکینت ان پر نازل کی اور ایسے لشکروں سے ان کو طاقت پہنچائی جو تمہیں دکھائی نہ دیئے۔)

حاصل یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح اپنے نبی ﷺ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے، ٹھیک اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو امت کے لیے ایک بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور تمام اہل ایمان کو دوٹوک الفاظ میں متنبہ کردیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے رسول اور اس کے صحابہؓ سے جدا کوئی طرز عمل اختیار کرتا ہے تو بلاشبہ وہ راہِ راست سے منحرف ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(اور جو صحیح راستہ سامنے آجانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ سے ہٹ کر چلے گا تو وہ جدھر بھی رخ کرے گا اسی رخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے اور اس کو جہنم رسید کریں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔)

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت وعدالت پر بے شمار قرآنی نصوص شاہد ہیں، جو ہمیں بتاتے ہیں کہ صحابہ کا عمل ہمارے لیے حجت بھی ہے اور نمونہ بھی، مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ ان نصوص پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے اور وہ صحابہ کرامؓ کے ہر عمل کو عام انسانوں کے پیمانہ سے ناپتے ہیں، جب کہ ان کے اور عام انسانوں کے اعمال کی کیفیت ونوعیت میں زمین وآسمان کا فرق ہے، حدیث میں ہے:

"لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَباً مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ."

(سنن الترمذی: ٤٢٣٤)

(تم میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، پس اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (راہِ خدا میں) خرچ کردے تو بھی ان میں سے کسی ایک کے مد یا آدھے کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔)

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ایک مخصوص طبقہ صحابہ کرامؓ پر زبان درازی کا ارتکاب کرتا ہے اور اس سلسلہ میں علمی موشگافیاں بھگارنے کو اپنی روشن عقلی کی دلیل سمجھتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر افسوس کا مقام ہمارے ان سادہ لوح مسلمانوں اور علماء کے لیے ہے جو صحابہ کرام کی عظمت کا حقیقی مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں، سچی بات یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے صحیح فہم سے قاصر ہیں ورنہ کتاب وسنت کے نصوص روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور صحابہ کرامؓ کی عظمت کا کھلا ثبوت ہیں، مگر بات وہی ہے کہ

﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾(العنكبوت: ٤٣)

(اور ان کو جاننے والے ہی سمجھتے ہیں۔)

صحابہ کا مقام و مرتبہ اور ائمہ کا اعترافِ فضل

ادارہ

حضرت میمونی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: آخر کیا ہو گیا ہے کہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔''

(الصارم المسلول على شاتم الرسول للامام ابن تيمية: ٥٦٨)

امام مسلمؒ کے استاد ابوزرعہؒ کہتے ہیں:

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں اور قرآن حق ہے، قرآن وسنت ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ کرام ہیں۔ یہ تنقیص کرنے والے ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تا کہ کتاب وسنت کو باطل ثابت کریں، لہٰذا خود ان کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے، یہ زندیق ہیں۔''

(الكفاية فى علم الرواية: ١/٤٩)

حضرت ابراہیم بن سعید جوہریؒ نے حضرت ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں افضل کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

''ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، افضل ہونا تو دور کی بات ہے۔''

(الروضة الندية شرح العقيدة الواسطية: ٤٠٥)

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''جس نے صحابہ پر طعن و تشنیع کی یا ان کو برا کہا وہ دین سے نکل گیا اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو گیا۔ اس لیے کہ ان پر طعنہ زنی اسی وقت ممکن ہے جب ان کی برائی کا عقیدہ ہو، ان کے تئیں دل میں حسد و کینہ ہو اور کتاب وسنت میں وارد ان کے فضائل ومناقب کا انکار کر دیا جائے نیز اس لیے کہ یہ حضرات شریعت ماثورہ کے نہایت پسندیدہ وسیلہ اور دین منقول کا واسطہ ہیں، واسطہ وذریعہ کو مجروح کرنا اصل دین کو مجروح کرنا ہے نیز اس لیے کہ ناقل کی تحقیر خود منقول کی تحقیر ہے، غور وفکر سے کام لینے والے اور نفاق والحاد وزندقہ سے پاک کسی شخص کے لیے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے۔'' (الكبائر للذهبي: ١/٢٣٦)

ابن حزمؒ نے لکھا ہے:

''صحابہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے اور کوئی شکل نہیں کہ روئے زمین کا کوئی شخص ادنی صحابی کے درجے کو بھی پا سکے۔''

(الفصل فى الملل والأهواء النحل: ٤/١١٧)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 16 ⚜ July 2024 ⚜ Issue: 07

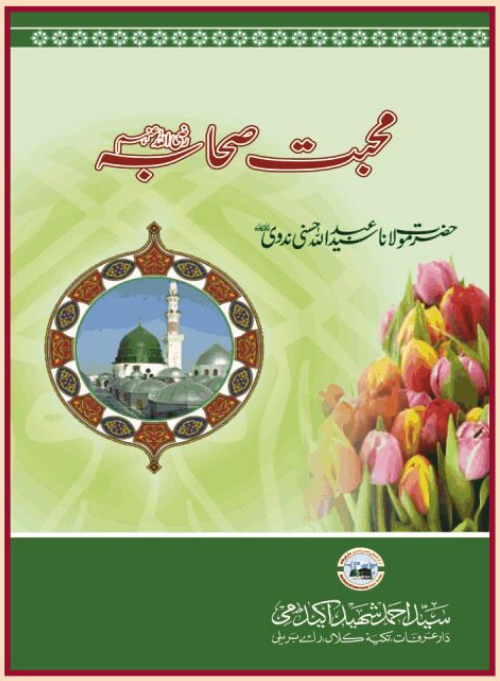

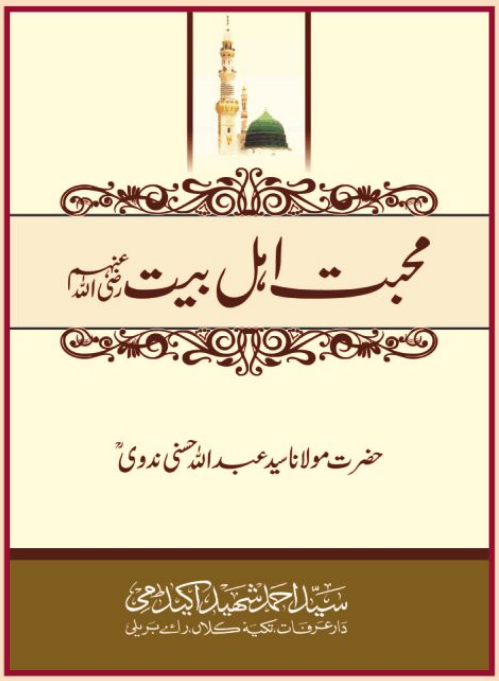

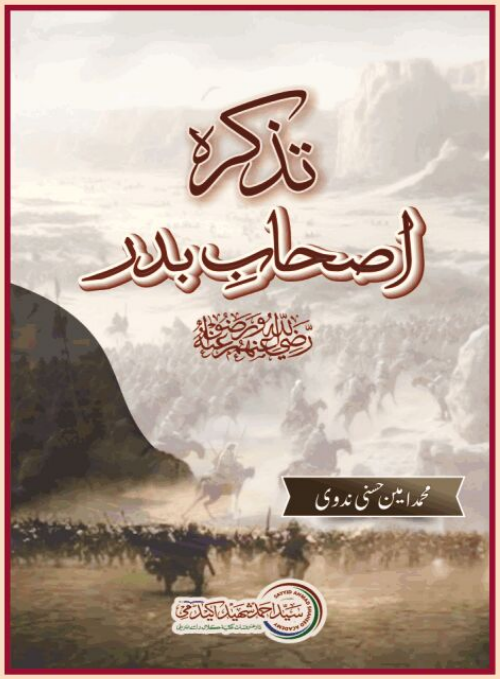

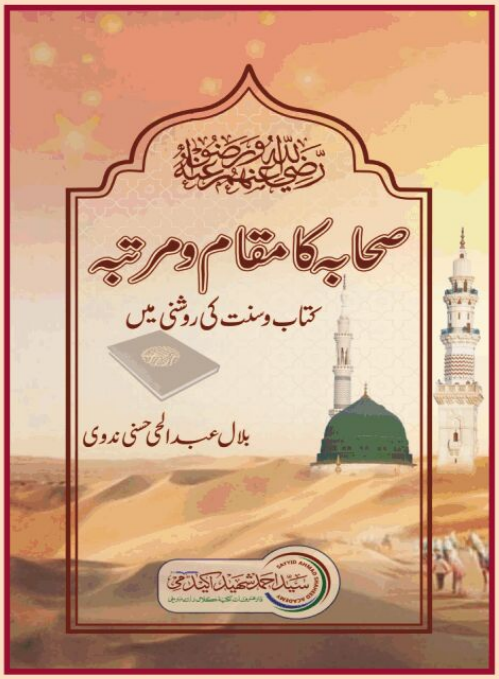

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: **9792646858**
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)